اردو تفاسیر میں تصورِ وحی

محمد شہباز منج*

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ دین ومذہب کی ساری عظمت وجلالت اور اس کے احکام وفرامین پر عمل وحیِ الٰہی کو تسلیم کرنے پر موقوف ہے۔ تمام انبیا کو، بنی نوع انسان کی ہدایت کی غرض سے، اللہ کا پیغام بذریعہ وحی پہنچتا رہا۔ کسی بھی آسمانی مذہب کے ماننے والے کے لیے وحی کا انکار ممکن نہیں۔ لیکن جب مغرب میں جدید علمی وسائنسی ترقی کے نتیجے میں قدیم کلیسائی مذہبی عقائد و تصورات کے خلاف شدید رد عمل پیدا ہوا اور مغربی اہل فکر مابعد الطبیعی حقائق کے انکار میں انتہائی غلو سے کام لینے لگے، تو دیگر عقائد کے ساتھ ساتھ عقیدۂ وحی بھی ہدفِ تنقید بنا۔ بعض لوگوں نے اسے اہلِ مذہب کا ایک خرافاتی اور خلافِ عقل عقیدہ قرار دیا؛(۱) اور بعض نے ایک غیر یقینی ذریعۂ علم، جس پر معاملات کی بنیاد رکھنا گمراہی ہے۔ استدلال کیا گیا کہ وحی انسانوں کے پاس انسانوں ہی کے ذریعے سے پہنچتی ہے، جن سے غلطی ہونا عین ممکن ہے۔ یہی نہیں بلکہ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ آدمی کے پاس براہِ راست خدا کی طرف سے آتی ہے، تو بھی آدمی کو اس کی تعبیر میں غلطی نہ لگنے کی کیا ضمانت ہے؟ حضرت ابراہیم کا خواب میں اپنے بیٹے کو مینڈھے کی طرح قربان کرنے کا حکم اسی قبیل سے ہے۔ ایسی صورت میں بندہ انتہائی درجے کے غلط کام کا خطرہ مول لیتا ہے۔ (۲) بعض لوگوں نے خیال ظاہر کیا کہ وحی کوئی خارج سے آنے والی چیز نہیں بلکہ ایک داخلی فیضان والہام ہے۔ (۳) حضور ﷺ پر نزولِ وحی کا مستشرقینِ مغرب کی جانب سے عمومی طور پر انکار کیا گیا، البتہ بعض لوگوں نے آپ ﷺ پر وحی کی یہ فلسفیانہ توجیہ پیش کرنے کی کوشش کی کہ حضور ﷺ جن خیالات و تصورات کو وحی کی حیثیت سے پیش کرتے تھے، وہ آپ کے اپنے لاشعور سے ابھرے تھے ؛آپ ﷺ کا پیش کردہ نظامِ عقائد و اخلاق آپ ﷺ کے زمانے کے مکے کے حالات کا فطری نتیجہ تھا۔(۴) برصغیر کے اہلِ تفسیر کے یہاں وحی کے حوالے سے جو تصورات سامنے آئے، ان میں بعض مختلف پہلوؤں سے مذکورہ مغربی تصورات سے تاثر کے مظہر ہیں اور بعض ان کی تنقید و تردید کا پہلو لیے ہوئے ہیں۔ اس تناظر میں اپنے زیر نظر مطالعے کو ہم تجدد پسندانہ اور قادیانی تفاسیر اور راسخ العقیدہ علما کی

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا، پاکستان۔

تفاسیر کے عنوانات کے تحت پیش کرتے ہیں:

تجدد پسندانہ اور قادیانی تفاسیر

اس مطالعے میں تجدد پسندانہ اور قادیانی تفاسیر کے ذیل میں ان تفاسیر کا مطالعہ شامل ہے، جو بعض پہلوؤں سے وحی کے روایتی تصور سے مختلف تصور کی حامل ہیں۔ان تفاسیر میں سے یہاں ہم نے جن کا انتخاب کیا ہے، ان میں بر صغیر کے معروف تجدد پسند اہلِ فکر سر سید احمد خان کی "تفسیر القرآن" اور غلام احمد پرویز کی "مطالب الفرقان" کے ساتھ ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی کی "تفسیر سورۂ فاتحہ" اور مولوی محمد علی لاہوری کی "بیان القرآن" شامل ہیں:

ا۔ تفسیر القرآن

سر سید احمد خاں، جو بر صغیر میں مغربی فکر کے تاثر کے نتیجے میں، متعدد امور میں، تجدد پسندانہ تفسیری آرا کا اظہار کرنے والے پہلے نمایاں شخص ہیں، وحی سے متعلق بھی کئی جگہ تجدد پسندانہ خیالات پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ البقرہ آیت ۲۳ اور الانعام آیت ۳۷ کی تفسیر میں وحی و نبوت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خدا نے تمام ذی روح اور غیر ذی روح مخلوق کو ایک خاص مزاج اور افتاد ودیعت فرمائی ہے۔اس ودیعتِ فطرت کو بعض علمائے اسلام الہاماتِ طبعی سے موسوم کرتے ہیں، جب کہ خدا اسے وحی سے تعبیر کرتا ہے، جیسا کہ سورہ النحل کی آیت ۶۸ میں شہد کی مکھی کو وحی کرنے کا ذکر ہے۔ شہد کی مکھی کو وحی جبریل یا کسی اور فرشتہ کے بجائے صرف خدا کے ذریعے حاصل ہوئی۔ اسی طرح تمام حیوانات کے جبلی افعال وحی ربانی کا کرشمہ ہیں۔ جس طرح حیوانات نے اپنی ضروریات کے مطابق وحی پائی ہے اسی طرح انسانوں کو بھی عطا کی گئی ہے۔ انسانوں کی ضروریات بہت زیادہ ہیں اور وہ اپنی بقا کے لیے باہم مدد پر انحصار کرتے ہیں۔ انسان کو اپنی ذہانت سے اپنی معاشی و سماجی زندگی کا ایک ڈھانچہ تیار کرنا ہوتا ہے اور زندگی گزارنے کے لیے اخلاقی ضابطے بنانا پڑتے ہیں، لہٰذا انسانوں کو ان کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے مطابق یہ صفت اعلیٰ شکل میں عطا کی گئی ہے۔انسان سے مخصوص تمام تکنیکی، سائنسی، فنی اور مذہبی تخلیق کے افعال اسی سلسلے سے خلق ہوتے ہیں۔ الہامی ادارک کی صلاحیت تمام افراد میں یکساں نہیں ہوتی۔جنھوں نے یہ ملکہ سب سے زیادہ پایا ہے وہ "مفہومون" کے زمرے میں آتے ہیں۔ (۵) ایسے افراد کی فطرت تہذیبِ نفس کی اعلیٰ ترین سطح پر ہوتی ہے اور اس وجہ سے وہ روحانی امراض کے طبیب ہوتے ہیں۔ایسے لوگ اپنے وجود کی ماہیت کی بنا پر پیغمبر ہوتے ہیں، زندگی کے کسی خاص حصہ میں خدا کے خصوصی تخاطب یا پیغام سے نہیں ہوتے۔

سر سید واضح کرتے ہیں کہ نبوت واقعتاً ایک فطری چیز ہے جو انسان میں اس کی دوسری صفات کی طرح خلقی طور پر موجود ہوتی ہے۔ یہ فطری صفت مختلف ناموں سے پکاری جاتی ہے: مثلاً ہدایتِ کامل کی فطرت، ملکۂ نبوت، ناموسِ اکبر اور جبریلِ اعظم وغیرہ۔ خدا اور پیغمبر میں بجز اس ملکۂ نبوت کے، جسے جبریل بھی کہا جا سکتا ہے، اور کوئی ایلچی یا پیغام پہنچانے والا نہیں ہوتا۔ نبی کا دل ہی وہ آئینہ ہے جس میں تجلیاتِ ربانی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے، وہ خود ہی وہ مجسم چیز ہے، جس میں سے کلامِ خدا کی آوازیں نکلتی ہیں، وہ خود ہی وہ کان ہوتا ہے، جو خدا کے بے حرف و صوت کلام کا سنتا ہے، اس کے دل سے فوارے کی مانند وحی اٹھتی ہے اور خود اسی پر نازل ہوتی ہے، اسی کا عکس اس کے دل پر پڑتا ہے، جس کو وہ خود ہی الہام کہتا ہے، اس کو کوئی نہیں بلواتا، بلکہ وہ خود ہی بولتا ہے اور خود ہی کہتا ہے: وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى۔ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى(٦)، وہ خود ہی اپنا کلام اپنے ظاہری کانوں سے یوں سنتا ہے کہ گویا کوئی دوسرا شخص اس سے کلام کر رہا ہے، اور اپنے آپ کو ان ظاہری آنکھوں سے یوں دیکھتا ہے کہ گویا دوسرا شخص اس کے سامنے کھڑا ہے۔ یوں سمجھیے جیسے مجنون بغیر کسی بولنے والے کے اپنے کانوں سے آوازیں سنتے ہیں، تنہا ہوتے ہوئے بھی اپنے سامنے کسی کو کھڑا ہوا اور باتیں کرتا ہوا دیکھتے ہیں۔ لہٰذا ایسے شخص کو جو فطرت کی رو سے تمام چیزوں سے بے تعلق روحانیت میں مستغرق ہو، ایسی واردات کا پیش آنا ہر گز خلافِ فطرتِ انسانی نہیں۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلا مجنون ہے اور دوسرا پیغمبر۔ کافر دوسرے کو بھی مجنون کہتے تھے۔ چناں چہ وحی وہ چیز ہے جس کو قلبِ نبوت پر اسی فطرتِ نبوت کے سبب مبداءِ فیاض نے نقش کیا ہے۔ یہی نقشِ قلبی کبھی بولنے والے کی مانند ظاہری کانوں سے سنائی دیتا ہے اور کبھی دوسرے بولنے والے کی شکل میں نظر آتا ہے، مگر بجز اپنے آپ کے نہ وہاں کوئی آواز ہے اور نہ بولنے والا۔ جس طرح تمام ملکاتِ انسانی کسی محرک کے پیش آنے پر اپنا کام کرتے ہیں اسی طرح ملکۂ نبوت بھی کسی مخصوص امر کے پیش نظر فعال ہو جاتا ہے۔(۷)

ولیم میور جیسے مستشرق کی ہرزہ سرائیوں کے جواب میں نہایت جاں فشانی سے دادِ تحقیق دینے والے سر سید احمد خاں اپنی مذکورہ صدر تفسیر میں تعجب خیز حد تک میور اور دیگر مستشرقین کے ان بیانات کو تائیدی مصالحہ فراہم کر رہے ہیں، جن کے مطابق وہ وحی والہام کو حضور ﷺ کی داخلی کیفیت سے تعبیر کرتے ہیں، جیسے آپ (نعوذ باللہ) غلط طور پر وحی سمجھ بیٹھے تھے، حالانکہ وہ جنوں یا مرگی کے دورے کے دوران حضور پر وارد ہونے والے خیالات ہوتے تھے؛ یا جن کے مطابق وحی اس زمانے کے ملکی حالات اور آپ کی غیر معمولی فطری صلاحیتوں اور سوچ و بچار کے ذریعے اپنے معاشرے کو برائی سے بچانے کے لیے آپ کے نہاں خانۂ دل

میں جاری کشمکش کاایک فطری اظہار تھی۔

سر سید نے وحی کو چونکہ نبی کی داخلی کیفیت اور فطری ملکہ سے تعبیر کیا، لہٰذا ختمِ نبوت سے متعلق انھوں نے ایسے خیالات کا اظہار کیا جن سے نئی نبوت کے لیے استشہاد کیا جا سکتا تھا۔اس ضمن میں ڈاکٹر سی ڈبلیو ٹرول کے وہ الفاظ قابلِ ملاحظہ ہیں جو انھوں نے سر سید کی فکر کی ترجمانی کرتے ہوئے پیش کیے ہیں۔ ان کے مطابق سر سید کے نزدیک ختمِ نبوت کا اصول افراد میں ملکۂ پیغمبری کے اختتام یا اس صفت کے سبب انسانوں سے الوہی نعمتوں کے خاتمے کا مفہوم نہیں رکھتا۔ خدا اپنی مخلوق سے کبھی بے نیاز نہیں رہتا، اس لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی لوگ اس خلقی تحفہ کے ساتھ پیدا ہونگے، اس کے باوجود کوئی شخص بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ تعلیم کی ہمہ گیر تکمیل اور صداقت میں کوئی اضافہ کرنے کے قابل نہیں ہو گا۔ یہی کامل توحید کا پیغام ہے۔ڈاکٹر ٹرول کے مطابق سر سید ایک طرف تو حضور ﷺ سے متعلق اپنے خیالات میں مافوق الفطرت واقعہ کے اصول سے احتراز کرنا چاہتے ہیں، یعنی یہ کہ خدا نے اس کام کے لیے حضور کا انتخاب نہیں کیا تھا اور اسی لیے انھوں نے ملکۂ نبوت کا نظریہ پیش کیا، مگر دوسری طرف وہ اپنے پہلے نظریے کے تسلسل میں توحید کے پہلے معلم کی حیثیت سے حضور ﷺ کی شخصیت کو نمایاں کرنا چاہتے ہیں۔ان کے نزدیک آپ ﷺ کے پیغام میں ایک عالمگیر کشش ہے، جو سب کے لیے قابل فہم ہے۔ اس لحاظ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری پیغمبر ہیں۔ پھر بھی جیسے جیسے فطرت کا نظام کھلتا جاتا ہے، بعد کے یکے بعد دیگرے آنے والوں میں یہ ملکہ فعال ہوتا رہتا ہے۔ ایسی پارسا ہستیوں کی توقع کی جا سکتی ہے، جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نئی صورتِ حال میں توحید کی تعلیم دینے کی اہلیت اور قدرت رکھتی ہوں۔ (۸)

تفسیر سورہ فاتحہ

سر سید کے مذکورۂ صدر خیالات بالبداہت نئی نبوت کے لیے گنجائش پیدا کر رہے ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے اپنی نئی نبوت کے ثبوت اور وحی والہام سے متعلق تاویلات میں سر سید کے مذکورہ خیالات کی جھلک واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ چناں چہ مرزا صاحب نے سورہ فاتحہ کے الفاظ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْم. صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِم(۹) کو اپنی نئی نبوت اور تسلسلِ وحی کے ثبوت میں نہایت شدومد سے استعمال کیا ہے، چناں چہ ایک جگہ تسلسلِ وحی کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

کیا تم کہہ سکتے ہو کہ آفتابِ الٰہی اگرچہ پہلے زمانوں میں یقینی رنگ میں طلوع کرتا رہا ہے، مگر اب وہ صفائی اس کو نصیب نہیں۔ گویا یقینی معرفت تک پہنچے کا کوئی سامان آگے نہیں، بلکہ پیچھے رہ گیا ہے۔اور گویا خدا

کی سلطنت اور حکومت اور فیض رسانی تھوڑی مدت تک رہ کر ختم ہو چکی ہے۔ لیکن خدا کا کلام اس کے برخلاف گواہی دیتا ہے، کیونکہ وہ یہ دعا سکھاتا ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْم. صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِم اس دعا میں اس انعام کی امید دلائی گئی ہے، جو پہلے نبیوں اور رسولوں کو دیا گیا ہے اور ظاہر کہ ان تمام انعامات میں سے بزرگ تر انعام وحی یقینی کا انعام ہے، کیونکہ گفتارِ الٰہی قائم مقامِ دیدارِ الٰہی ہے، کیونکہ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ خدا موجود ہے۔ اگر کسی کو اس امت میں سے وحی یقینی نصیب ہی نہیں اور وہ اس بات پر جرأت ہی نہیں کر سکتا کہ اپنی وحی کو قطعی طور پر مثل انبیا علیہم السلام کی وحی یقینی سمجھے اور نہ اس کی وحی ہو کہ انبیا کی طرح اس کے ترک مطابقت اور ترکِ عمل پر یقینی طور پر دنیا کا ضرر متصور ہو سکے، تو ایسی دعا سکھلانا محض دھوکا ہوگا۔(۱۰)

مرزا قادیانی کا کہنا ہے کہ اگر امت کو وہ انعامات نہ دیے جائیں جو انبیا کو عطا ہوئے تو ان کو مذکورہ بالا دعا سکھانا فضول اور بیکار ٹھہرے گا۔ وہ امت محمدیہ کے افراد میں ملکہ وحی کے موجود ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اگر مسلمانوں کے کامل افراد کی فطرتوں میں یہ حصہ نہ ہوتا تو ان کے دلوں میں یہ خواہش نہ پائی جاتی کہ وہ خدا شناسی کے درجہ میں حق الیقین کے درجہ تک پہنچ جائیں۔ اور ان انعامات سے سب سے بڑھ کر یقینی مخاطبات اور مکالمات کا انعام ہے جس سے آدمی اپنی خدا شناسی میں پوری ترقی کرتا ہے، گویا ایک طور پر خدا کو دیکھ لیتا ہے اور اس کی ہستی پر رویت کے رنگ میں ایمان لاتا ہے۔(۱۱)

ایک امتی کے لیے نبی کے سے مخاطبہ و مکالمہ کو ثابت کرتے ہوئے قدرے دو ٹوک انداز میں لکھتے ہیں:

اگر نبی کے صرف یہ معنی کیے جائیں کہ اللہ جل شانہ اس سے مکالمہ و مخاطبہ رکھتا ہے اور بعض اسرار غیب کے اس پر ظاہر کرتا ہے تو اگر ایک امتی ایسا نبی ہو جائے تو اس میں حرج کیا ہے، خصوصاً جب کہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں اکثر جگہ پر امید دلائی ہے کہ ایک امتی شرفِ مکالمہ الٰہیہ سے مشرف ہو سکتا ہے۔(۱۲)

مرزا صاحب کا کہنا ہے کہ مذکورہ دعا کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم بھی مخاطبہ و مکالمۂ الٰہیہ سے مشرف ہو سکیں۔ خدا تعالیٰ کا مکالمہ ہی تو معرفت کی جڑ اور تمام برکات کا سرچشمہ ہے، اگر امت پر یہ دروازہ بند ہوتا تو سعادت کے تمام دروازے بند ہو جاتے۔ خدا تعالیٰ نے جب طالبانِ حق کو کامل معرفت دینے کا ارادہ فرما رکھا ہے، تو کیونکر ممکن ہے کہ اس نے اپنے مکالمہ اور مخاطبہ کا دروازہ کھلا نہ رکھا ہو؟(۱۳)

مرزا صاحب کے مذکورہ بالا خیالات کا ماحصل یہ ہے کہ وحی کا دروازہ بند نہیں ہو گیا، بلکہ اہلِ تقویٰ مقامِ نبوت پر پہنچ سکتے ہیں اور ان کا خدا سے وحی پانا اور اس کے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہونا کوئی امرِ محال نہیں، بلکہ اسلامی تعلیمات کا عین تقاضا ہے۔ وحی کامل افراد کی فطرتوں کا ایک حصہ ہے اور خدا کی رحمت اور فیض رسانی سے یہ بات قطعاً بعید ہے کہ سلسلۂ وحی ایک مقام پر آکر رک جائے، اور آئندہ قیامت تک آنے والے لوگ اس سے یکسر محروم رہ جائیں۔ یوں سر سید کی طرح مرزا قادیانی نے بھی وحی کو ایک فطری ملکہ قرار دے کر اپنے اس مفروضے کی تائید کے لیے دلائل فراہم کرنے کی کوشش کی کہ نبی کی متابعت سے آدمی کا یہ فطری ملکہ فعال ہو سکتا ہے اور وہ نبی کی طرح وحی پا سکتا اور خدا کے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہو سکتا ہے۔

۲۔ بیان القرآن

اگرچہ صاحب "بیان القرآن "، مولوی محمد علی لاہوری نے وحی کے حوالے سے بالعموم وہی تعبیر اختیار کی ہے جو عام راسخ العقیدہ علما کے ہاں ملتی ہے۔(۱۴) تاہم مفسر مذکور چونکہ مرزا غلام احمد قادیانی کے معتقد اور قادیانیوں کی لاہوری جماعت سے تعلق رکھتے تھے، جن کے نزدیک مرزا صاحب نبی نہیں بلکہ مجدد تھے، چناں چہ انھوں نے جہاں کہیں موقع ملا ہے، مرزا صاحب کی مزعومہ مجددیت کو تقویت پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر سورہ المومن آیت ۱۵ کی تفسیر میں آں حضرت ﷺ کے بعد مجددین کے مامور ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس آیت کے نیچے روح المعانی میں حدیث مجدد کا ذکر ہے، یعنی یہ القائے وحی آدم سے لے کر حضور ﷺ کے زمانے تک رہا ہے اور وہ قیامت تک کے لیے حکمِ اتصال رکھتا ہے اس شخص کے کھڑا ہونے سے جو دعوت اسلام کے کام کو لے کر کھڑا ہو، جیسا کہ ابو داؤد نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اس امت کے لیے ہر سو سال کے سر پر ایک ایسے شخص کو اٹھاتا رہے گا جو اس کے لیے اس کے دین کی تجدید کرتا رہے، یعنی عمل بالکتاب والسنہ سے جو کچھ مٹتا رہا ہے اسے زندہ کرتا رہے۔ حدیث مجدد گو صرف ابو داؤد نے بیان کیا ہے، لیکن حفاظ کا اس کی صحت پر اتفاق ہے اور امت کے تعامل نے اس کی صداقت پر مہر لگا دی ہے، کیونکہ بڑے بڑے راست بازوں کے مجددیت کے دعوے موجود ہیں اور ان بزرگوں کو جھوٹا وہی شخص کہہ سکتا ہے جسے قرآن و حدیث کی پروا نہ ہو۔ (۱۵)

۳۔ مطالب الفرقان

غلام احمد پرویز جن کی قرآنی تعبیرات سر سید ہی کی تجدد پسندانہ فکر کا تسلسل ہیں، وحی کے حوالے سے بنیادی و اساسی طور پر یعنی، وحی کی ضرورت و اہمیت اور اس کے خارج سے نزول سے متعلق، بظاہر روایتی اسلامی

عقیدے سے مختلف رائے نہیں رکھتے، تاہم بحیثیت مجموعی اور بعض جزوی تعبیرات میں عام راسخ العقیدہ مفسرین سے مختلف الخیال ہیں۔ یہی نہیں بلکہ زیر نظر موضوع کے حوالے سے ان کے خیالات ان کے فکری تضاد کی نشاندہی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ذیل میں ان کے تصورِ وحی پر بحیثیتِ مجموعی ایک نگاہ ڈالی جاتی ہے:

پرویز صاحب نے المائدہ آیت ۱۱۱ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ وحی اس علم کا نام تھا جو حضراتِ انبیا کو خدا کی طرف سے براہ راست ملتا تھا، اس میں صاحبِ وحی کی اپنی فکر، خیالات، کسب و ہنر، کوشش حتیٰ کہ ارادہ تک کو بھی دخل نہیں ہوتا تھا۔ اس قسم کا علم حضراتِ انبیا کے سوا کسی کو نہیں ملتا تھا، اور ختم نبوت کے بعد اس کا سلسلہ ویسے ہی ختم ہو گیا، لیکن قرآن کریم کی اس قدر وضاحت و صراحت کے باوجود گمراہی پھیلانے والوں کو ابلہ فریبی اور مغالطہ آفرینی کے ہزاروں بہانے مل جاتے ہیں۔ انھوں نے یہ عقیدہ وضع کیا کہ وحی غیر از نبی کو بھی مل سکتی ہے اور اس کی تائید میں قرآنی آیات بھی پیش کر دیں، انھی میں ایک آیتِ زیر نظر ہے، جس میں اوحیت کا لفظ حواریوں کے لیے آیا ہے، اس سے یہ حضرات دلیل لاتے ہیں کہ حواری تو نبی نہیں تھے، ان کی طرف وحی ہو سکتی ہے، تو دیگر "غیر از انبیا" کی طرف کیوں نہیں ہو سکتی؟ اس غلط خیال کی تردید کے لیے چند باتیں قابلِ توجہ ہیں: اوّلاً وحی کے معنی ہیں: نہایت تیز اشارہ یعنی کسی سے اشارۃً اور نہایت تیزی سے کچھ کہنا۔ ثانیاً اس کے معنی ہیں: کسی کو کچھ لکھ کر دینا۔ ثالثاً وحی کے معنی ہیں: کسی کو حکم دینا یا وہ بات جسے کسی تک پہنچا دیا جائے اور اسے اس کا علم ہو جائے، خواہ اسے پہنچانے کی کیفیت کچھ ہو، مخفی طور پر یا ظاہر۔ رابعاً وحی کے معنی ہیں: کسی کی طرف اپنا پیغام بھیجنا۔ ان معانی کی رو سے قرآن کریم نے اس فطری جبلت کو بھی وحی سے تعبیر کیا ہے، جو اشیائے کائنات میں انسان کے سوا دیگر اشیا میں، خواہ وہ جاندار ہوں یا غیر جاندار، ودیعت کر کے رکھ دی گئی ہے، اور جس کے مطابق وہ مصروفِ عمل رہتی ہیں۔ مثلاً فلکیاتی کروں کے متعلق کہا: وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا۔(۱۶) شہد کی مکھی کے متعلق فرمایا: وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ۔(۱۷) ان آیات میں وحی سے مراد وہ جبلی ہدایات ہیں جو ان اشیا کے اندر رکھ دی گئی ہیں اور جن کی رو سے اپنی اپنی صلوۃ و تسبیح کو جانتی ہیں۔ قرآن میں ہے: وَأَوحَينا إِلىٰ أُمِّ موسىٰ۔(۱۸) ظاہر ہے کہ یہ حکم کسی نبی کی معرفت بھیجا گیا ہو گا اور اسی طرح حواریوں کے لیے وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ (۱۹) کے الفاظ آئے ہیں۔ امام راغب اور دیگر اربابِ لغت نے وضاحت کی ہے کہ اس سے مراد وہ حکم ہے جو حواریوں کو حضرت عیسیٰ کی وساطت سے دیا گیا، جیسا کہ ہر امتی کو اس کے رسول کی وساطت سے احکام دیے جاتے ہیں۔ رہی وہ وحی جس کا استعمال انبیا کو خدا کی طرف سے ملنے والے براہ راست علم پر کیا گیا ہے، تو وہ قرآن کریم کی ایک خاص اصطلاح ہے، جس کا استعمال کسی غیر از نبی کے

لیے نہیں کیا گیا۔ اگر کوئی شخص اب اس بات کا مدعی ہے کہ اسے خدا کی طرف سے براہ راست کوئی علم ملتا ہے تو وہ یا تو فریب خوردہ ہے اور یا فریب کار۔ (۲۰)

سورہ البقرہ کی آیت ۳۷ کی تفسیر میں بھی پرویز صاحب نے علم وحی کے وہبی اور غیر اکتسابی ہونے کی وضاحت کی ہے۔ (۲۱) پرویز صاحب اپنی تفسیر میں کئی مقامات پر زور دے کر واضح کرتے ہیں کہ وحی خارج سے حاصل ہونے والا علم ہے جس میں انسان کی ذاتی فکر اور اکتسابی علم کا کچھ دخل نہیں ہوتا۔ وہ البقرہ آیت ۲۸۵ کی تفسیر میں وضاحت کرتے ہیں کہ کسی مفکر کے لیے اپنی فکری تخلیق پر ایمان لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو اسے بالکل سچی اور صحیح سمجھتا ہے۔ ایمان لانے یا نہ لانے کا سوال ان امور سے متعلق پیدا ہوتا ہے جو کسی کو خارج سے ملیں۔ پیغمبر کو بھی چونکہ وحی خارج ملتی ہے لہٰذا وہ وحی کی صداقت پر اسی طرح ایمان لاتا ہے جس طرح دوسرے انسان۔ (۲۲)

البقرہ آیت ۴ کی تفسیر میں لفظ "نزول" کے حوالے سے لکھا ہے: مادہ (ن-ز-ل) کے بنیادی معنی ہیں "بلندی سے نیچے کی طرف آنا۔" ہم یہاں اس کے اسی مفہوم سے اعتنا کرتے ہیں، جس سے مراد وحی ہے۔ جو علم انسانی فکر کا نتیجہ ہو اس کے متعلق کہا جائے گا کہ وہ انسان کے اندر موجود ہوتا ہے اور وہاں سے باہر آتا ہے۔ بالفاظ دیگر یوں سمجھیے کہ یہ علم نیچے سے اوپر کی طرف اٹھتا ہے۔ اس کے برعکس جو علم خدا کی طرف سے عطا ہوتا ہے، اس کے متعلق یوں سمجھیے کہ وہ اوپر سے نیچے کی طرف آتا ہے۔ اس علم کی یہی معروضیت یا خارجیت (Objectivity) ہے جس کے لیے لفظ انزال یا تنزیل استعمال کیا گیا ہے۔ انسانی علم کی کوئی قسم بھی ایسی نہیں جو فرد متعلقہ کے "اندر سے باہر" نہ آتی ہو۔ یعنی اس میں اس کے فکر و جذبات کا دخل نہ ہو۔ اب سے کچھ عرصہ پہلے تک وجدان (Intuition) کے متعلق سمجھا جاتا تھا کہ وہ انسانی فکر کی تخلیق نہیں ہوتا بلکہ کہیں باہر سے ملتا ہے، جیسا کہ غالب نے کہا تھا: آتے ہیں سے یہ مضامین خیال میں، غالب صریرِ خامہ نوائے سروش ہے۔ لیکن یہ محض شاعری ہے۔ عصر حاضر کی تحقیق نے بتا دیا ہے کہ اس میں نوائے سروش کا کوئی دخل نہیں ہوتا، یہ خود شاعر کے اپنے تحت الشعور ہی کی آواز ہوتی ہے۔ علامہ اقبال نے برگساں (جسے عصر حاضر میں وجدانی تحقیق کا امام سمجھا جاتا ہے) کے حوالے سے کہا ہے کہ (Intuition) انسانی فکر ہی کی ایک بلند شکل کا نام ہے۔ وحی کے متعلق کوئی غیر از نبی انسان نہیں جان سکتا کہ اس کے ملنے کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟ قرآن نے اتنا ہی کہا ہے جبریل اس علم خداوندی کو بحکم خداوندی تیرے قلب پر نازل کرتا ہے۔ یہ علم قلبِ نبوی پر بہ الفاظ نازل ہوتا تھا، اسی لیے کلام اللہ کہا گیا ہے۔ (۲۳)

پرویز صاحب قرآن کے علاوہ کسی دوسری وحی یعنی وحی غیر متلو کے قائل نہیں ہیں اور اسے یہودیوں سے مستعار لیا ہوا عقیدہ قرار دیتے ہیں (۲۴) یہاں یہ عرض کر دینا ضروری محسوس ہوتا ہے کہ پرویز صاحب کا یہ تصور کہ حضور ﷺ پر خارج سے بذریعۂ جبریل وحی نازل ہوتی تھی اور یہ تصور کہ ملائکہ فطرت کی قوتیں ہیں۔(۲۵.) باہم متضاد ہیں۔جب فرشتے کوئی موجود فی الخارج ہستیاں ہی نہیں تو وحی کا خارج سے بذریعہ جبریل نزول چہ معنی دارد؟

راسخ العقیدہ علما کی تفاسیر

راسخ العقیدہ مفسرین نے قرآن وسنت کی روشنی میں جمہور امت کے عقیدے کی ترجمانی میں وحی سے متعلق استشراقی و مغربی اور متجددانہ مسلم فکر کی تردید کرتے ہوئے روایتی اسلامی تصور کی وضاحت و تایید کرنے کی کوشش کی ہے۔ذیل میں ہم نے راسخ العقیدہ علما کے تصورِ وحی کی وضاحت کے لیے، جن تفاسیر کو منتخب کیا ہے،ان میں مولانا عبدالحق حقانی کی "تفسیرِ حقانی"، مولانا اشرف علی تھانوی کی "بیان القرآن"، مولانا شبیر احمد عثمانی کی "تفسیرِ عثمانی"، مولانا ابو الکلام آزاد کی "ترجمان القرآن" ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور مولانا محمد مالک کاندھلوی کی "معارف القرآن"، مولانا عبالماجد دریا بادی کی "تفسیر ماجدی"، مولانا ابو الاعلی مودودی کی" تفہیم القرآن"، مولانا امین احسن اصلاحی کی "تدبرِ قرآن" اور پیر محمد کرم شاہ الازہری کی" ضیاء القرآن" شامل ہیں:

ا۔ تفسیرِ حقانی

تجدد پسندانہ عقائد و تصورات پر کلام کے ضمن میں راسخ القعیدہ علما کی صف میں ایک نہایت نمایاں نام مولانا عبدالحق حقانی، صاحبِ تفسیرِ فتح المنان ،المشہور بہ تفسیر حقانی کا ہے۔وحی پر گفت گو کرتے ہوئے مولانا موصوف نے وحی کی حقیقت اور ضرورت و اہمیت واضح کرنے کے ساتھ ساتھ اس سلسلے میں مغربی فکر اور مسلم تجدد پسندوں، بالخصوص سر سید احمد خاں کے خیالات پر نقد و جرح کی ہے۔وحی و الہام کا معنی و مفہوم بیان کرتے ہوئے مولانا نے لکھا ہے کہ عام مفہوم کے اعتبار سے وحی و الہام قریب المعنی ہیں اور دونوں کا مطلب ہے: دل میں القا کرنا۔البتہ عرفِ شرع میں وحی انبیا کے ساتھ مخصوص ہے اور الہام کا لفظ مقابلتاً عام ہے۔یہی وجہ ہے کہ شرعی معنی کے لحاظ سے غیر انبیا کو صاحب وحی نہیں کہا جاتا۔ ہاں لغوی معنی کے اعتبار سے غیر انبیا پر بھی اس کا اطلاق ہوا ہے۔ ۲۶اس نازک فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے مولانا نے وحی کی حقیقت اور خدا کی طرف

سے مخلوقات کو وحی ملنے کے مختلف مراتب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وحی و الہام خدا تعالیٰ اور اس کی مخلوقات کے درمیان ایک پیغام یا ایسا تارِ برقی ہے، جس کے ذریعے مخلوقات اپنے خالق سے ہم کلام ہوتی ہیں۔ خالق و مخلوق میں باہم مماثلت و مشاکلت نہ ہونے کے باوجود ایک طرح کا ربطہ بہر حال موجود ہے، اور اس امر میں انسان ہی نہیں حیوانات، حجر و شجر اور زمین و آسمان سب شریک ہیں۔ دیگر مخلوقات کی فطری وحی سے انسان کی طرف آئیں تو یہاں ایک دوسری قسم کی وحی کا سراغ ملتا ہے۔ انسان جسم وروح سے مرکب ہے، جس کے جوہر نورانی کا قوت ملکیہ اور جسم ظلمانی اور صورت ہیولانی کا اثر قوت بہیمیہ ہے۔ یہ دونوں قوتیں کہیں تو باہم مصالحت کر کے رہتی ہیں اور کہیں کشا کشی و تخالف کے صدمے سہتی ہیں۔ پھر کبھی یہ غالب اور وہ مغلوب اور کبھی بر عکس و مقلوب، ان قویٰ کے اجماع سے بے شمار مراتب پیدا ہوتے ہیں۔ الہام و وحی سے ہر فردِ بشر فیضیاب ہے ، لیکن قوائے ملکیہ و بہیمیہ کے ضعف و شدت کے اعتبار سے علی حسبِ مراتب حصہ ملتا ہے۔ جب قوتِ ملکیہ غالب آتی ہے، تو اچھے خیالات سوجھتے ہیں اور جب اس کے بر عکس ہوتا ہے تو شہوانی باتیں سوجھتی ہیں۔ لیکن انسان کی سعادت و شقاوت کی باتیں، جنھیں شریعت کہا جاتا ہے ، ہر کس و ناکس کے الہام و وحی پر چھوڑنے کے قابل نہ تھیں ، لہٰذا ان کی خاطر ایسے اشخاص کا الہام ضروری تھا، جو قوتِ بہیمیہ کی تشویشات اور شوائب بشریہ سے معصوم ہوں اور ان کا الہام بھی نہایت اعلیٰ درجے پر ہو، جس کو وحی بواسطۂ جبریل کہتے ہیں۔ (۲۷)

مولانا حقانی لکھتے ہیں کہ قوتِ متخیلہ کے غلبے کی بنا پر خیالات کو مجسم دیکھنے والوں اور آوازیں سننے والوں کے خیالات اور آوازوں کا کچھ تعلق ہاتفِ غیب سے نہیں ہوتا، بلکہ یہ ان کے اپنے ہی خیالات ہوتے ہیں ، جیسا کہ ایک مجنون خیالی صورتوں سے باتیں کرتا اور ان کو دیکھتا ہے یا بیمار غلبۂ مرض کی بنا پر کچھ دیکھتا سنتا ہے۔ اس طرح کے احوال انھی لوگوں کو پیش آتے ہیں جن کے قوائے بہیمیہ اور صفات بشریہ غالب ہوں، جن لوگوں کے قوائے ملکیہ غالب ہوتے ہیں وہ اس طرح کے خیالات سے بالکل پاک ہوتے ہیں۔ (۲۸) جن لوگوں کے قوی ملکیہ غالب ہوتے ہیں ان کو مولانا نے دو قسموں میں تقسیم کیا ہے: قسم اول انبیا علیہم السلام کی ہے، جن پر وحی والہام کی حقیقت کا قدرے تفصیلی ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کو اختلافِ حالات کے اعتبار سے مختلف طور پر الہام ہوتا ہے۔ کبھی خواب میں، جب کہ اس جسم سے توجہ کم ہوتی ہے اور اس عالم کا پردہ ان سے اٹھ جاتا ہے، ملائکہ کے ذریعے، اور کبھی خدا سے دو بدو ہم کلام ہو کر مستفید ہوتے ہیں اور کبھی مغیبات عالم مثال میں متشکل ہو کر دکھائی دے جاتے ہیں اور کبھی حالت بیداری میں جب قوتِ ملکیہ کا نہایت غلبہ ہوتا ہے، یہ تین صورتیں پیش آتی ہیں: اولاً فرشتہ جس کو ناموس اکبر یا جبریل کہتے ہیں، پیغام الٰہی پہنچاتا ہے، اس کی کئی صورتیں ہیں؛ کبھی فرشتہ انسانی شکل میں ظاہر ہو کر پیغام پہنچاتا ہے، جیسا کہ روایات سے جبریل کے دِحیہ کلبی کی صورت میں

دکھائی دینے اور جنگِ احزاب اور حدیثِ جبریل وغیرہ میں انسانی شکل میں ظاہر ہو کر پیغام پہنچانے کی تصدیق ہوتی ہے؛ کبھی جبریل اپنی اصل شکل میں دکھائی دے کر پیغام پہنچاتے، اس صورت میں آپ ﷺ کے علاوہ کوئی دوسرا شخص انھیں دیکھ سکتا نہ ان کی آواز سن سکتا اور کبھی جبریل اس طرح آتے کہ آپ ﷺ کو جرس کی مانند آواز سنائی دیتی، جیساکے صحیح بخاری اور مسند احمد بن حنبل میں مذکور ہے، ثانیاً پیغمبر ذات باری سے براہِ راست ہم کلام ہوتا ہے، جیساکہ حضرت موسیٰ کوہِ طور پر اور حضور ﷺ شبِ معراج میں شرف ہم کلامی سے مشرف ہوئے، ثالثاً پیغمبر حالتِ بیداری میں عالمِ ملکوت کے فائدہ سے اسرارِ غیب پر مطلع ہو جاتے ہیں، جیساکہ حضور ﷺ کو نمازِ کسوف میں یہ صورت پیش آئی۔ ان تین صورتوں کے علاوہ ایک چوتھی صورت یہ ہے کہ فرشتہ غائبانہ آواز سے کوئی پیغام دے، جس کو ہاتفِ غیب کہا جاتا ہے۔(۲۹)

صلصلۃ الجرس والی وحی، جو آں حضور ﷺ پر نہایت شاق گزرتی، کی حقیقت بیان کرتے ہوئے اور اس سلسلہ میں مستشرقین کے اعتراضات پر تنقید کرتے ہوئے مولانا نے حاشیہ میں لکھاہے کہ ہو سکتا ہے کہ وحی کی اس صورت میں قوتِ ملکیہ کا نہایت زور اور بہیمیہ کا تنزل ہوتا ہو، جس میں باہم ایک منازعت سی پیدا ہونے سے جسم میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو جاتا ہے، جس سے کان میں جھنجاہٹ کی سی آواز بھی آتی ہے اور پسینہ بھی۔ سیل وغیرہ مستشرقین نے حضور کی اس حالتِ وحی کو سخت نادانی سے بیماری اور صرع کے دوروں سے تعبیر کیا ہے۔ حالانکہ مرض اور وحی کے وقت پیدا ہونے والی حالتوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔(۳۰)

انبیا پر وحی والہام کے لیے جبریل کے واسطہ ہونے کی ضرورت واہمیت کو تفصیلی عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کرنے کے بعد جبریل کے وحی لانے کی حقیقت اور کیفیت سے متعلق گفت گو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فرشتے نورانی مخلوق ہیں جن کو علی حسبِ مراتب جناب باری سے تقرب حاصل ہے۔ جبریلِ امین نہایت درجے کے ملائکۂ مقربین میں سے ہیں، لہٰذا انھیں خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونا ہر وقت آسان ہے۔ لیکن خدا اور فرشتوں کا باہم کلام ہماری دنیا میں معروف آواز و حروف سے نہیں ہوتا، اس لیے کہ یہ چیزیں تو اس عالم میں ہمارے مطلوبہ مضامین کو ادا کرنے کے لیے بمنزلۂ آلات ہیں۔ تاہم کبھی ہم بھی ان حروف واصوات اور تلفظ کے بغیر باہم کلام کر لیتے ہیں۔ خواب میں ہم زبان کے بغیر بولتے اور ظاہری آنکھ کے بغیر دیکھتے ہیں۔ یہی نہیں بعض اخیار قوتِ روحانیہ کے ذریعہ صدہا کوس کے فاصلے سے بات چیت کر سکتے ہیں اور تار برقی وغیرہ آلات سے ہم لب بند کرکے اور خاموش رہ کر کلام کر سکتے ہیں۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام علم الٰہی سے، جسے قلم اور لوح محفوظ کہا جاتا ہے، مطلع ہو کر اور اس سے الفاظ تلقین پا کر حضور ﷺ کو حسبِ حاجت پہنچا جاتے تھے۔ قرآن کریم کی عالم

مثال میں ایک خاص صورت ہے، جس کو بیت المعمور میں یکبار گی نازل کرنے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جبریلِ امین نازل شدہ قرآن کو اس سے تطبیق دے کر آں حضور ﷺ کو نہایت اچھے طریقے سے یاد کرا دیتے اور آیات کی ترتیب بہ اعتبارِ تقدیم و تاخیر بھی اسی کے مطابق مقرر کر دیا کرتے تھے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے الفاظ و معانی کو جبریل سے حاصل کرکے اچھی طرح حفظ کر لینے کے ساتھ ساتھ حفاظ کو یاد کرا دیتے اور کاتبین وحی کو لکھوادیتے تھے۔ (۳۱)

وحی سے متعلق سر سید کے خیالات کی تردید کرتے ہوئے مولانا حقانی نے لکھا ہے کہ سر سید کا امام رازی سے نقل کرکے یہ شبہ ظاہر کرنا کہ خدا کے کلام میں تو حروف و آواز نہیں پھر جبریل نے وہ کلام کیوں کر سنا ہوگا اور پھر اس کا یہ جواب دینا کہ ممکن ہے خدا نے جبریل میں ایسی سماعت پیدا کی ہو کہ خدا کا کلام سن لیتا ہو یا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیزِ جسم دار میں سے خاص طرح کی آوازیں ٹھہر ٹھہر کر نکالی ہوں اور جبریل نے بھی اسی کے ساتھ آواز ملائی ہو اور پھر اللہ تعالیٰ نے جبریل کو بتا دیا ہو کہ یہ وہی عبارت ہے، جو ہمارے کلامِ قدیم کو پورا پورا ادا کرتی ہے، محض لغو ہے۔ اس لیے کہ امام فخر الدین رازی کی شان سے یہ بالکل بعید ہے۔ سید صاحب نے چونکہ کسی مقام کا حوالہ نہیں دیا، لہٰذا ہمارا گمان ہے کہ آپ نے جو تقریر نقل کی ہے وہ امام رازی کی نہیں بلکہ انھوں نے کسی اور کی تقریر علی سبیل قیل نقل کی ہو گی۔ سو اس پر سید صاحب کا یہ اعتراض فرمانا کہ یہ تقریریں ہمارے علمائے قدیم کی اسی قسم کی تقریریں ہیں جن پر آج لوگ ہنستے ہیں اور قرآن مجید اور اسلام کو مثل اس تقریر کے لغو سمجھتے ہیں، بناء الفاسد کا مضمون ہے۔ افسوس کہ ایسی بے بنیاد تقریروں پر نگاہ ڈال کر سید صاحب جبریل اور وحی کے منکر ہو بیٹھے اور تحقیقی مواد تک رسائی حاصل نہ کر سکے۔ (۳۲)

قوتِ ملکیہ کے غلبہ والے وہ لوگ جو مولانا نے حقانی کے نزدیک دوسری قسم میں شامل ہیں اور انبیاء سے کمتر درجے کے ہیں، کے الہام کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نے لکھا ہے کہ ان کا الہام غالباً پہلی تین صورتوں پر مبنی ہوتا ہے۔ حالت بیداری میں خدا سے کلام اور بواسطۂ ناموس اکبر الہام ان کو قطعاً حاصل نہیں ہوتا، کیوں کہ یہ صرف انبیا سے مخصوص ہے، اس بنا پر یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ غیر انبیا کا الہام، خواہ انھیں اس پر کتنا ہی اعتماد ہو، ظنیت کے درجہ سے نہیں نکل سکتا۔ اور اسی بنا پر اصطلاح میں انبیا کے لیے لفظ وحی اور غیر انبیا کے لیے لفظ الہام مقرر ہوا۔ یہاں اگر کسی کو شبہ ہو کہ تم نے ابتدا میں ہر چیز کا خدا سے ہم کلام ہونا ثابت کیا تھا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں کلام سے ایک ارتباطِ خاص مراد تھا اور یہاں ایک مواجبہ اور کیفیتِ مخصوصہ۔ سر سید صاحب کا بیماروں اور مجنونوں کے حال پر انبیا علیھم السلام کے حال کو قیاس کرنا بہت بڑی غلطی اور گمراہی کا موجب ہے۔ سر سید کو اسی بنا پر بہت سے لوگوں کو نبی کہنا پڑا، مثال کے طور پر تہذیب الاخلاق میں بابو کشیب

چندر اور دیانند وغیرہ کو بھی نبی کہا گیا ہے۔ اور اسی بنا پر نبوت کا دروازہ کھل گیا، اور نبوت کے معنی محض رفارمری اور وعظ گوئی رہ گئے۔ (۳۳)

۲۔ بیان القرآن

مولانا اشرف علی تھانوی اپنی تفسیر "بیان القرآن" میں قلبِ نبوی پر نزولِ وحی کی کیفیت بیان کرتے ہوئے اور معترضین و مخالفین کے اس وسوسہ کا ازالہ کرتے ہوئے کہ الفاظ قرآنی منزل من اللہ نہیں، البقرہ آیت ۹۷ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ قلب جس طرح معانی کا ادراک کرتا ہے الفاظ کا بھی ادراک کرتا ہے، بلکہ مدرک در حقیقت دل ہی ہے، کان وغیرہ حواس تو محض اس کے آلات ہیں۔ اس حقیقت کو آنکھ اور عینک کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ عینک آنکھ کے سامنے آنکھ کی معین تو ضرور ہے، مدرک نہیں، مدرک در حقیقت آنکھ ہی ہے۔ حالتِ وحی میں، جب کہ بے خودی کی بنا پر حواسِ ظاہری فعال نہیں رہتے، تو اس وقت بلا واسطۂ گوش الفاظ ظاہر ہے کہ قلب ہی پر وارد ہوں گے۔ یوں سمجھیے جیسے اونگھتے یا سوتے میں کوئی شخص خواب دیکھے اور اس میں کسی سے کچھ سنے تو ظاہر ہے کہ وہ گوشِ ظاہری سے نہیں سنتا، کیوں کہ گوشِ ظاہری تو معطلِ محض ہے، ورنہ اور باتیں بھی سنائی دیتیں۔ خواب کے اس سننے میں الفاظ بھی ہوتے ہیں، چناں چہ بعض دفعہ خواب بیان کرتے ہوئے یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ یہ الفاظ تھے، بلکہ بعض اوقات بعض غیر معروف المعنی الفاظ بھی ہوتے ہیں، جن کی نسبت پوچھا جاتا ہے کہ خدا جانے اس لفظ کے کیا معنی ہوں۔ اس کو خواب سے زیادہ کشف و ریاضت والے لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ اور جہاں تک وحی کا تعلق ہے، تو اس کی تو شان ہی سب سے ارفع ہے اور اتصالِ عالمِ باطن میں وہ سب سے اقوی ہے، جس کی پوری حقیقت ہمارے فہم و ادراک بالاتر ہے۔ سو ایسے امرِ غریب کے باب میں محض قیاس یا عدمِ فہم سے ایک ثابت بالنص چیز کی نفی بہت بڑی غلطی ہے۔ (۳۴)

۳۔ تفسیرِ عثمانی

مولانا شبیر احمد عثمانی نے بھی اپنی تفسیر میں متعدد مقامات پر وحی و تنزیل سے متعلق گفتگو کی ہے۔ الشعراء آیات ۱۹۴-۱۹۲ کی تفسیر میں کیفیتِ نزولِ وحی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرآن کریم وہ عظیم الشان کتاب ہے، جسے رب اللعالمین نے اتارا، جبریل امین لے کر آئے اور تیرے پاک و صاف قلب پر اتاری گئی۔ یہی قلب تھا جو اللہ کے علم میں اس بھاری امانت کو اٹھانے کے لائق تھا۔ چناں چہ وحی قرآنی آئی اور سیدھی ترے دل میں اترتی چلی گئی۔ تو نے اس کو اپنے سارے دل سے سنا، سمجھا اور محفوظ رکھا "علي قلبک" کے لفظ

میں شاید یہ بھی اشارہ ہو کہ نزول وحی کی جو دو کیفیتیں احادیثِ صحیحہ میں وارد ہوئی ہیں۔ (یعنی کبھی صلصلة الجرس اور کبھی فرشتے کاآدمی کی صورت میں سامنے آکر بات کرنا) ان میں سے قرآن کی وحی اغلباً پہلی کیفیت کے ساتھ آتی تھی ، کیوں کہ دونوں حالتوں میں محققین کے نزدیک فرق یہ تھا کہ پہلی حالت میں پیغمبر کو بشریت سے منخلع ہو کر ملکیت کی طرف جانا پڑتا تھا۔ گویا اس وقت آلات جسدانیہ کو بالکل معطل کرکے صرف روحی قوتوں اور قلبی حواس سے کام لیتے تھے؛ دل کے کانوں سے وحی کی آواز سنتے تھے؛ دل کی آنکھوں سے فرشتے کو دیکھتے تھے اور دل کی الٰہی قوتوں سے ان علوم کی تلقی کرتے اور محفوظ رکھتے تھے۔ بخلاف دوسری حالت کے کہ اس میں فرشتے کو ملکیت سے نزول کرکے بشریت کی طرف آنا پڑتا تھا؛ اس وقت پیغمبر ان ظاہری آنکھوں سے فرشتہ کو دیکھتے اور ان ظاہری کانوں کے توسط سے آواز سنتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وحی کی پہلی قسم کے متعلق احادیث میں فرمایا گیا کہ هو اشد علي کیوں کہ اس میں آپ کو بشریت سے ملکیت کی طرف صعود کرنا پڑتا تھا۔(۳۵) الشوری آیت ۵۱ کی تفسیر میں نزولِ وحی کی مختلف صورتوں کا ذکر کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ کوئی بشر اپنی عنصری ساخت اور موجودہ قویٰ کے اعتبار سے یہ طاقت نہیں رکھتا کہ خداوندِ قدوس اس دنیا میں اس کے سامنے ہو کر مشافہۃً کلام فرمائے، اور وہ تحمل کر سکے۔ اس لیے کہ کسی بشر سے اس کے ہم کلام ہونے کی تین صورتیں ہیں: (الف) بلا واسطہ پردے کے پیچھے سے کلام، یعنی نبی کی قوتِ سامعہ استماعِ کلام سے لذت اندوز ہو، مگر آنکھیں دولتِ دیدار سے متمتع نہ ہو سکیں، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر اور خاتم الانبیاﷺ کو لیلۃ الاسرا میں پیش آیا۔ (ب) حق تعالیٰ بواسطہ فرشتہ کلام فرمائے، مگر فرشتہ متجسّد ہو کر آنکھوں کے سامنے نہ آئے، بلکہ براہِ راست نبی کے قلب پر نزول کرے اور فرشتہ اور صوت کا ادراک بھی قلب کے ذریعہ ہو، اور حواسِ ظاہرہ کو چنداں دخل نہ رہے۔ میرے خیال میں یہی صورت ہے، جس کو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں: "یاتینی مثل صلصلة الجرس" سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور صحیح بخاری کے باب بدء الوحی میں وحی کی اس صورت میں بھی اتیان ملک کی تصریح موجود ہے، اور اسی کو حدیث میں ''وهو اشد عليّ'' فرمایا، اور شاید وحی قرآنی بکثرت اسی صورت میں آئی ہو، جیسا کہ " نزل به الروح الامین علی قلبک"، "فانه نزله علی قلبک باذن الله" میں لفظ قلبک سے اشارہ ہوتا ہے، اور چونکہ یہ معاملہ پوشیدہ طور پر اندر ہی اندر ہوتا تھا، پیغمبرﷺ کے وجود سے باہر کوئی علیحدہ ہستی نظر نہ آتی تھی اور نہ اس طرح کلام ہوتا تھا، جس طرح کوئی ایک آدمی دوسرے سے بات کرتا ہو، کہ پاس بیٹھنے والے سامعین بھی سمجھ لیں۔ اس لیے اس قسم کو خصوصیت کے ساتھ آیت ہذا میں لفظ ''وحیا'' سے تعبیر کیا، کیونکہ لغت میں "وحی" کا لفظ اخفا اور اشارۂ سریعہ پر دلالت کرتا

ہے۔ (ج) فرشتہ متجسّد ہو کر نبی کے سامنے آجائے اور خدا کا کلام و پیغام پہنچا دے، جیسے ایک آدمی دوسرے سے کلام کرتا ہے، جیسا کہ حضرت جبریل ایک دو مرتبہ اپنی اصلی صورت میں حضور ﷺ کے پاس آئے اور اکثر مرتبہ دِحیہ کلبی کی صورت میں آتے رہے، اور کبھی کسی غیر معروف آدمی کی شکل میں بھی تشریف لاتے۔ اس صورت میں آنکھیں فرشتے کو دیکھتیں اور کان آواز سنتے اور پاس بیٹھنے والے بھی بعض اوقات گفتگو سنتے اور سمجھتے تھے۔ حضرت عائشہ کی حدیث میں جو دو صورتیں بیان ہوئی ہیں ان میں سے یہ دوسری صورت ہے اور میرے خیال میں اسی کو آیتِ ہذا میں أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ(۳۶) سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ باقی رہی حجاب والی صورت، تو وہ چونکہ نادر بلکہ اندر تھی اس لیے حدیثِ عائشہ میں اس سے تعرض نہیں کیا گیا۔ (۳۷)

النحل آیت ۲ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یہاں روح سے مراد وحی ہے، جو خدا کی طرف سے پیغمبروں کی طرف غیر مرئی طریق پر بہ طور ایک بھید کے آئی ہے۔ چناں چہ سورہ المومن میں فرمایا: يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ (۳۸) اور سورہ شوریٰ میں قرآن کی نسبت فرمایا: وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا۔ (۳۹) قرآن یا وحی الٰہی کو روح سے تعبیر فرمانے میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح مادی اجسام کو نفخ روح سے ظاہری حیات حاصل ہوتی ہے، اسی طرح جو قلوب جہل و ضلال کی بیماریوں سے مردہ ہو چکے تھے، وحی الٰہی کی روح کو پا کر زندہ ہو جاتے ہیں۔ (۴۰) الشعراء آیت ۱۹۵ کی تفسیر میں قرآن کے لفظاً و معناً وحی الٰہی ہونے سے متعلق رقمطراز ہیں:

یعنی اتارا نہایت فصیح، واضح اور شگفتہ عربی زبان میں یہاں سے معلوم ہوا کہ "علی قلبک" سے مراد یہ نہیں کہ مضامین قرآن کے آپ کے دل میں اتار دیئے پھر آپ نے ان کو اپنے الفاظ میں ادا کر دیا، بلکہ الفاظ اور مضامین سب وحی ربانی سے قلب مبارک پر القا کیے گئے۔ (۴۱)

۴۔ ترجمان القرآن

مولانا ابو الکلام آزاد کی شہرہ آفاق تفسیر "ترجمان القرآن" میں وحی کی ضرورت و احتیاج سے متعلق نہایت عمدہ بحثیں ملتی ہیں۔ الانعام آیات ۹۶-۱۰۰ کے حاشیے میں مولانا احتیاج وحی و تنزیل کو واضح کرتے اور منکرین وحی کے رویہ پر اظہار افسوس کرتے ہوئے اپنے مخصوص ادیبانہ اور دلنشیں انداز میں رقم طراز ہیں:

وہ جو زمین کی موت کو زندگی سے بدل دیتا ہے، کیا تمھاری روح کی موت کو زندگی سے نہیں بدل دے

گا؟وہ جو ستاروں کی روشن علامتوں سے بیابانوں اور سمندروں میں تمھاری رہنمائی کرتا ہے کیا تمہاری روح کو چھوڑ دے گا کہ بھٹکتی رہے اور اس کے لیے کوئی روشنی نہ ہو؟ تم اس بات پر تو کبھی متعجب نہیں ہوتے کہ کھیت لہلہا رہے ہیں اور بارانِ رحمت برس رہی ہے، پھر اس پر کیوں متعجب ہوتے ہو کہ انسان کی روحانی پرورش کے لیے سامان زندگی مہیا ہے اور خدا کی وحی نازل ہو رہی ہے، افسوس تم نے ایسا سمجھ کر خدا کی رحمت و ربوبیت کی بڑی ہی ناقدری کی۔(۴۲)

مولانا آزاد نے سورہ فاتحہ کی تفسیر میں ہدایت کے مختلف مراتب کا تذکرہ کرے ہوئے وحی کی ضرورت کو نہایت مدلل انداز میں واضح کیا ہے۔ وہ وحی کے ثبوت میں وجدان، حواس اور عقل کے مراتب ہدایت پر نہایت تفصیلی اور پر مغز گفت گو کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اگر خدا نے وجدان کے ساتھ حواس بھی دیے تاکہ وجدان کی لغزشوں میں نگرانی کریں اور اگر حواس کے ساتھ عقل بھی دی تاکہ حواس کی غلطیوں میں قاضی و حاکم ہو، تو کیا ضروری نہ تھا کہ عقل کے ساتھ کچھ اور بھی دیتا تاکہ عقل کی درماندگیوں میں رہنما اور فیصلہ کن ہوتا۔ قرآن کہتا ہے ضروری تھا، اور اسی لیے اللہ کی ربوبیت نے ایک چوتھے مرتبۂ ہدایت کا بھی سامان کر دیا۔ یہی مرتبۂ ہدایت ہے جسے وہ وحی و نبوت کی ہدایت سے تعبیر کرتا ہے۔(۴۳)

۵۔ معارف القرآن

صاحب معارف القرآن نے سورہ الشوری کی آیت ۵۱ کی تفسیر میں وحی سے متعلق گفت گو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام راغب کے نزدیک روح کا مفہوم اشارة السریعة فی خفیة، یعنی پوشیدہ اور مخفی طور پر ایک سریع اشارہ اور امر ہے۔ لفظ خفیہ سے ظاہر ہے کہ وحی الٰہی کا تعلق ظاہری حواس کے ادراک اور احساس سے نہیں، بلکہ یہ باطنی مدرکات اور شعور سے تعلق رکھنے والا امر ہے، اور لفظ سریعہ کی دلالت بتارہی ہے کہ وحی ایک آن کی آن میں عرشِ الٰہی سے قلب پیغمبر پر وارد ہو جاتی ہے، اور فی خفیۃ ہی کا نتیجہ تھا کہ حضراتِ صحابہ کی مجلسِ نبوی میں موجودگی میں نزولِ وحی ہو جاتا اور صحابہ کو خبر تک نہ ہوتی۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ جب فرشتہ آنکھوں کے سامنے محسوس ہو کر پیغام پہنچاتا تو صحابہ بھی اسے سن لیتے۔ لفظ وحی اگرچہ اپنے مشتقات اور اصلِ وضع کے اعتبار سے عموم کا حامل ہے اور غیر انبیا کے لیے بھی استعمال ہوا ہے، تاہم اصطلاح شریعت کی رو سے وحی انبیا کے ساتھ مخصوص ہے اور اس سے مراد صرف وہی کلام و پیغام یا امرِ خداوندی ہو گا جو بارگاہِ خداوندی سے اس کے پیغمبر کی طرف بھیجا جائے۔ اس لحاظ سے وحی کا مفہوم الہام اور القائے ربانی وغیرہ سے ممتاز وجدا ہو گا۔(۴۴)

وحی کی حکمت و مصلحت اور وہبی و غیر اکتسابی ہونے پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انسان میں دو قوتیں ہیں قوتِ ملکیہ و روحانیہ اور قوت جسمانیہ و بہیمیہ۔اطبا و حکما موخر الذکر قوت کے امراض کے معالج ہیں اور انبیا مقدم الذکر کو لاحق بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔انبیا گو صورتِ جسمانیہ کے اعتبار سے بشر ہی ہوتے ہیں ،تاہم ان کی بشری قوت قوتِ ملکیہ کے تابع اور اس کی محکوم ہوتی ہے، جیسا کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان لگا ہوا ہے، جو اس کو برائی پر اکساتا ہے، مگر جو قرین مجھ پر مسلط کیا گیا ہے وہ میرا مطیع و منقاد اور تابع ہے،اور مجھے خیر کے سوا کسی چیز کا حکم نہیں دیتا۔حضراتِ انبیا کسی وقت بشریت سے منسلخ ہو کر ملاءِ علی میں پہنچ جاتے اور اس حالت میں ملاءِ اعلی سے جو کچھ علوم و ہدایات ملتی ہیں لے کر بندگان خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ بہر کیف عالمِ روحانیت اور ملاءِ اعلی کے امور کا القا خدا کی طرف سے وحی کی حقیقت ہے ،یعنی جو چیز انسان نہ آنکھ سے دیکھ سکتا ہے اور نہ کان سے سن سکتا ہے اور نہ عقل سے اس کا ادراک کر سکتا ہے، اس کا علم بذریعہ وحی الٰہی ہوتا ہے۔ وحی الٰہی اور نبوت ایک موہبۂ خداوندی ہے، کوئی کسبی و اکتسابی یا فطری صلاحیت یا آثار و کیفیات کا نام نہیں، جیسا کہ فلاسفہ وملحدین کا گمان ہے۔فلاسفہ کا یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ وحی ایک فطری ملکہ ،انبیا کی فطرت کی ایک اعلی حالت کا نام اور نبی کے قواے طبیعیہ کا ایک عمل ہے۔(۴۵)

البقرہ آیت ۹۷ کی تفسیر میں قلبِ محمدی پر نزولِ وحی کی کیفیت پر بحث کرتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ کسی کلام کے نازل ہونے کے دو طریقے ہیں: ایک یہ کہ وہ کلام اولاً کان پر پہنچے اور پھر کان سے دل تک پہنچے، یہ طریقہ عام اور متعارف ہے؛ دوسرے یہ کہ لفظ اور معنی پہلے دل میں اتریں اور پھر دل ہی سے کان اور زبان تک پہنچیں ،قرآن کا نزول حضور ﷺ پر اسی دوسرے طریق سے ہوتا تھا۔اسی لیے حضور ﷺ کو قرآن بار بار پڑھنے اور یاد کرنے کی حاجت نہ ہوتی تھی۔ نیز نزولِ وحی کی حالت میں حواسِ ظاہری بالکل معطل ہو جاتے ہیں اور ایسی حالت میں الفاظِ وحی کا تمام تر ورود و نزول قلب ہی پر ہوتا ہے۔ یا قلب پر نازل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ قرآن آپ کے قلب میں اس طرح محفوظ ہو جاتا کہ پھر آپ اس کو بھولتے نہیں، اور نہ ہی آپ کو اس کی مراد اور معنی میں کوئی اشتباہ لاحق ہوتا ہے۔(۴۶)

۶۔ تفسیر ماجدی

مولانا عبدالماجد دریا بادی نے "تفسیر ماجدی" میں الشوریٰ آیت ۵۱ کے تفسیری حاشیے میں طرقِ وحی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہاں یہ مسئلہ بیان فرمایا گیا ہے کہ عام قواے بشری اس قابل ہی نہیں کہ خدا تعالیٰ سے براہ راست عزتِ ہم کلامی حاصل کر سکیں۔ مخاطبت کے ممکن طریقے صرف تین ہیں: ۱۔ بطریق وحی

یعنی بلا واسطۂ مدرکاتِ طبعی قلب میں کوئی بات ڈال دی جائے۔ ۲۔ بواسطۂ حجاب کچھ کلام کیا جائے۔ حجاب کا تعلق تجلیِ حق سے نہیں ضعفِ ادارک سے ہے۔ حجاب حجابِ عظمت ہے، جو مشاہدۂ تجلیات سے بشر کو روک دیتا ہے، اور ذاتِ حق محجوب نہیں۔ ۳۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ فرشتے کے ذریعے وحی بشر کو بھیج دی جاتی ہے۔ اس وحی کے مخاطب حضراتِ انبیا تو قطعی ہوتے ہیں، تاہم غیر انبیا کے لیے بھی اس کی گنجایش ہے۔ جیسا کہ حضرت مریم کے معاملے میں قرآن ہی سے ثابت ہے۔ (۴۷)

قلبِ نبوی ﷺ پر نزولِ وحی کے ضمن میں امام رازی کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام صاحب نے "علی قلبک" سے متعلق یہ سوال پیدا کیا ہے کہ قرآن تو محمد ﷺ پر اترا ہے، پھر قلب محمد ﷺ کی تخصیص کیوں کی گئی اور پھر اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس کا تخصیصی ذکر اس لیے کیا گیا کہ قلب محمدی ﷺ نے اس تنزیل کی محافظت کی تھی۔ (۴۸)

۷۔ تفہیم القرآن

صاحبِ "تفہیم القرآن" نے الشوریٰ آیت ۳ کی تفسیر میں وحی کا معنی و مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وحی کے لغوی معنی ہیں "اشارہ سریع" اور "اشارۂ خفی" یعنی ایسا اشارہ جو سرعت کے ساتھ اس طرح کیا جائے کہ بس اشارہ کرنے والا جانے یا وہ شخص جسے اشارہ کیا گیا ہے، باقی کسی اور شخص کو اس کا پتہ نہ چلنے پائے۔ اس لفظ کو اصطلاحاً اس ہدایت کے لیے استعمال کیا گیا ہے، جو بجلی کی کوند کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے کسی بندے کے دل میں ڈالی جائے۔ ارشادِ الٰہی کا مدعا یہ ہے کہ اللہ کے کسی کے پاس آنے یا اس کے پاس کسی کے جانے اور روبرو گفت گو کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ وہ غالب و حکیم ہے۔ انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے، جب وہ کسی بندے سے رابطہ قائم کرنا چاہتا ہے تو کوئی دشواری اس کے ارادے کی راہ میں مزاحم نہیں ہو سکتی اور وہ اپنی حکمت سے اس کام کے لیے وحی کا طریقہ اختیار فرمالیتا ہے۔ (۴۹)

الشوریٰ آیت ۵۱ کے الفاظ الا وحیا کی بعض تجدد پسندوں کی طرف سے یہ تاویل کی گئی کہ اس کا مطلب رسول کا بندوں تک پیغام پہنچانا ہے، کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں صاحبِ تفہیم القرآن نے لکھا ہے کہ عام انسانوں کے سامنے انبیا کی تبلیغ کو "وحی کرنے" سے نہ قرآن میں کہیں تعبیر کیا گیا ہے اور نہ عربی زبان میں انسان کی انسان سے علانیہ گفت گو کو "وحی" کے لفظ سے تعبیر کرنے کی کوئی گنجایش ہے۔ انبیا کی تبلیغ پر اس لفظ کا اطلاق صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو عربی زبان سے بالکل نابلد ہو۔ (۵۰)

بعض مغربی اہلِ فکر (مثلاً کانٹ وغیرہ) نے انبیا کی وحیِ خواب کے حوالے سے مختلف اشکالات کا اظہار

کیا ہے۔ راسخ العقیدہ علما کے ہاں یہ بات مسلّم مانی جاتی ہے کہ انبیا کا خواب کسی غلطی فہمی یا غلطیِ تعبیر پر مبنی نہیں ہوتا، بلکہ یہ وحی کی ایک قسم ہے۔ حضرت ابراہیم کے ذبحِ اسماعیل سے متعلق خواب کے حوالے سے گفت گو کرتے ہوئے مولانا مودودی نے واضح کیا ہے کہ انبیا کا خواب محض خواب نہیں بلکہ وحیِ الٰہی ہوتا ہے۔(۵۱) اس حقیقت کی وضاحت مولانا نے سورہ الفتح کے دیباچے میں حضور ﷺ کے مکہ معظّمہ میں جا کر عمرہ ادا کرنے کے خواب کے حوالے سے بھی کی ہے۔(۵۲)

مستشرقین حضور ﷺ پر نزول وحی کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے آپ پر نزولِ وحی کی میں مخالفت اس قدر دور نکل جاتے ہیں۔ کہ وحی کے نزول ہی کا انکار کر ڈالتے ہیں۔ یہ ضد اور ہٹ دھرمی آج کے مستشرقین ہی میں نہیں نزولِ قرآن کے زمانے کے یہود میں بھی تھی۔الانعام آیت ۹۱ کی تفسیر میں مولانا اس ہٹ دھرمی کو واضح کرتے ہوئے رقم طرزاز ہیں:

شبہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک یہودی جو خود تورات کو خدا کی طرف سے نازل شدہ کتاب جانتا ہے، یہ کیسے کَہ سکتا ہے کہ خدا نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا۔ لیکن یہ شبہ صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر بسا اوقات آدمی کسی دوسرے کی سچی باتوں کو رد کرنے کے لیے ایسی باتیں بھی کَہ جاتا ہے جس سے خود اس کی اپنی مسلمہ صداقتوں پر بھی زد پڑ جاتی ہے۔ یہ لوگ محمد ﷺ کی نبوت کو رد کرنے پر تلے ہوئے تھے اور اپنی مخالفت کے جوش میں اس قدر اندھے ہو جاتے تھے کہ حضور ﷺ کی رسالت کی تردید کرتے کرتے خود رسالت ہی کی تردید کر گزرتے تھے۔(۵۳)

۸۔تدبر قرآن

صاحب تدبرِ قرآن بنی اسرائیل آیت ۸۵ کی تفسیر میں وحی کو ہر کس و ناکس کی سمجھ میں نہ آنے والا بھید بتاتے ہوئے رقم طراز ہیں:

یہ ضروری نہیں کہ تم اس کائنات اور اس کے خالق کے سارے ہی بھید سمجھ لو۔ اس روح کو وہی سمجھتے ہیں جنھیں اس کا تجربہ ہوا ہے، جس کے دردِ جگر نہ ہوا ہو وہ اگر دردِ جگر کو دیکھنے کے لے مچلے تو اس کو یہ درد کس طرح دکھایا اور سمجھایا جا سکتا ہے۔(۵۴)

آں حضور ﷺ پر نزولِ وحی کا انکار کرنے والوں کو اس وحی کو ان کے اپنے انبیا پر نزولِ وحی کی روشنی میں سمجھنے پر متوجہ ہونے کے حوالے سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر حضور ﷺ پر وحی آنا کوئی انوکھی چیز ہوتی، جس کا تجربہ صرف آپ ہی کو ہوا ہوتا اور نبوت و رسالت کوئی ایسا دعویٰ ہوتا جس میں آپ تنہا

ہوتے ، تب تو ایک حد تک گنجایش تھی کہ ان لوگوں کو معذور خیال کیا جاتا جو آپ کے دعوائے نبوت پر مضطرب ہو رہے ہیں، لیکن جب انبیا کا ایک طویل سلسلہ موجود ہے اور ان پر جن جن شکلوں میں جن جن باتوں کی وحی آئی اس کے بھی دفاتر موجود ہیں اور یہ لوگ رسولوں اور نبیوں کے نام لیوا بھی ہیں، تو پھر حضور ﷺ ہی کی وحی و نبوت پر اعتراض کیوں؟ جس طرح ہر گروہ کی کچھ مشترک خصوصیات ہوتی ہیں اسی طرح انبیاکے گروہ کی بھی مشترک خصوصیات ہیں اور یہ ایسی نمایاں ہیں کہ ان کے حامل تمام دنیا سے الگ نظر آتے ہیں، نہ تو یہ ممکن کہ کوئی جھوٹا مدعی ان کے اندر داخل ہو سکے اور نہ اس کا امکان ہے کہ جو ان کے اندر داخل ہو، اس کو ان کے زمرے سے الگ کیا جاسکے۔ (۵۵)

۹۔ ضیاء القرآن

صاحب ضیاء القرآن الشعراء آیات ۱۹۲-۱۹۶ کی تفسیر میں وحی کے قلبِ نبوی ﷺ پر نزول اور اس کی کمال محفوظیت کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

یعنی اس کا نزول حضور ﷺ کے قلبِ منور پر ہوا۔ اور جو چیز دل میں اترتی ہے اس میں نہ کسی کمی بیشی کا احتمال ہوتا ہے اور نہ یہ امکان ہوتا ہے کہ اس کو صحیح طور پر سمجھا نہ گیا ہو۔ ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کتاب کو انسان کی جسمانی اور ظاہری ضروریات کو بہم پہنچانے والے پروردگار نے اس کی روحانی اور باطنی قوتوں کو مرتبۂ کمال تک پہنچانے کے لیے اتارا۔ اور اسے لانے والا وہ فرشتہ ہے، جو روح الامین کی صفت سے موصوف ہے اور اس کے نزول کی جگہ اللہ تعالیٰ کے محبوب کا قلب مبارک ہے۔ اے کفار! جب حقیقت یہ ہے تو تمھارا اس کتابِ مقدس کے متعلق بے تکی باتیں کرنا معقولیت کے سراسر خلاف ہے۔ (۵۶)

قرآن کے الفاظ و معانی دونوں کے خدا کی طرف سے ہونے اور حضور ﷺ پر نزول وحی کی کیفیات کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ آلوسی کے حوالے سے لکھا ہے کہ صحیح تر قول یہ ہے کہ جس طرح معانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے تھے، اسی طرح الفاظ بھی اسی کی طرف سے ہوتے تھے، ایسا نہیں تھا کہ صرف معانی کا القا کر دیا گیا اور جبریل نے اپنے الفاظ میں انھیں آ کر پیش کیا ہو۔ جب جبریل ان الفاظ و معانی کو لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے تو حضور قوائے الٰہیہ قدسیہ کے ساتھ اس کو سنتے اور محفوظ رکھتے۔ اس کا سماع بشری حواس سے نہیں ہوا کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نزولِ وحی کے وقت حضور کے جسمِ اطہر پر اغماکی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ حضور ﷺ کی دو جہتیں تھیں۔ ایک جہتِ ملکی جس سے حضور ﷺ فیضان حاصل کرتے اور ایک جہتِ بشری جس سے آپ ﷺ لوگوں کو فیض پہنچاتے۔ اسی بنا پر بیانِ نزول کو قلبِ منور یعنی روح سرورِ عالم ﷺ سے متعلق کیا گیا، کیوں کہ وہی صفات ملکی سے متصف ہے۔ علامہ آلوسی نے علامہ اصفہانی کے حوالے سے لکھا ہے

کہ جبریل امین سے وحی قبول کرنے کے دو طریقے تھے: ایک یہ کہ حضور ﷺ جامۂ بشری اتار کر صورتِ ملکی کی طرف عروج فرماتے اور جبریل سے وحی سنتے۔ دوسرا یہ کہ فرشتہ مقامِ ملکی سے مقامِ بشریت کی طرف نزول کرتا اور حضور ﷺ کو وحی پہنچاتا۔ علما نے تصریح کی ہے کہ قرآن کا نزول بیشتر پہلے طریقے کے مطابق ہوا کرتا تھا۔ (۵۷)

حاصلِ بحث

دین و مذہب خصوصاً آسمانی مذاہب کی بنا وحیِ الٰہی پر استوار ہے۔ لہٰذا اہلِ مذہب کے لیے وحی اور اس کے حقیقی مذہبی تصور کی اہمیت مسلمہ اور ناقابلِ انکار ہے۔ لیکن مغرب میں جدید مادی و سائنسی ترقیات کے تناظر میں دیگر امور کی طرح وحی سے متعلق بھی ملحدانہ خیالات عام ہو گئے اور اسے مختلف طریقوں سے ہدف تنقید بنایا جانے لگا۔ جدید مغربی فکر سے تاثر کے نتیجے میں بہت سے مسلمان یا مسلمان کہلانے والے اہل تفسیر نے وحی سے متعلق ایسی تعبیرات پیش کرنا شروع کر دیں، جو روایتی اسلامی تصورِ وحی سے بہت مختلف تھیں۔ مثلاً انھوں نے وحی کو نبی کی داخلی کیفیت یا ملکہ فطری قرار دے دیا اور حضور ﷺ کے بعد بھی نزولِ وحی کے امکان و وقوع پر دلائل دینے شروع کر دیے، جس سے نہ صرف اسلام کے مغربی بد خواہوں کی ہرزہ سرائیوں کو تقویت ملی بلکہ بعض بوالہوسوں کو دعویِ وحی و نبوت کے لیے شہ ملی اور وہ بہت سے سادہ لوح اہل اسلام کو ضلالت و گمراہی کی طرف لے گئے۔ تفسیر قرآن میں راہ پا جانے والی اس غیر معمولی غلطی اور اس کے انتہائی مضر اثرات کے پیش نظر راسخ العقیدہ علماے تفسیر نے اپنی تفاسیر میں وحیِ الٰہی پر مختلف حوالوں سے کلام کرتے ہوئے عقلی و نقلی دلائل کی روشنی میں وحی کے روایتی اسلامی تصور کو نہایت ہی احسن انداز سے واضح کیا اور متجددین کی تعبیرات قرآنی کی تردید کی۔ ان مفسرین کے دلائل کی روشنی میں یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے وحی ایک لابدی ضرورت ہے۔ وحی کا انکار کرنے والے انسان کی فطرت اس کی ضرورت وحاجت اور کائنات میں اس کی حیثیت سے بے بہرہ ہونے کے ساتھ ساتھ کائنات اور اس کی حقیقت کے صحیح ادراک سے بھی قاصر ہیں۔ مستشرقین اور مغربی مفکرین کا یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ انبیا کو وحی کی تعبیر میں غلطی لگ سکتی ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نہایت محفوظ طریقے سے وحی پیغمبروں تک پہنچاتا ہے۔ مستشرقین اور ان کے ہم نوا مسلم تجدد پسند اس سلسلہ میں قطعی طور پر بر خود غلط ہیں کہ وحی ایک ملکۂ فطری کا نام ہے، اس لیے کہ نبی پر خارج سے بذریعۂ فرشتہ وحی نازل ہونے کی تصدیق نہ صرف صحفِ سماوی سے ہوتی ہے، بلکہ عقلاً بھی اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے۔

حوالہ جات وحواشی

(1) Longmans, Green and Co, Published by; Supernatural religion: An Inquiry into the Reality of Devine Revelation) London: Longmans, 1874), 2/492.

(2) Immanuel Kant, Religion within the limits of reason alone, trans. T.M Green and H. H Hudson (New York: Harper & Row,1960), 175.

(3) Erick W Bethman, Steps toward understanding Islam (Washington, D.C.: American Friends of Middle East, Inc. 1996), 6.

(4) Montgomery Watt, Muhammad: Prophet and Statesman,(Oxford University Press, 1961), 14 -17 -110.

(۵) یہاں سر سید نے شاہ ولی اللہ کی" حقیقۃ النبوۃ و خواصھا "کے عنوان سے حجۃ اللہ البالغہ میں کی گئی بحث کا تذکرہ کیا ہے۔ مفہومون کے مراتب قائم کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ نے علی الترتیب کامل، حکیم، خلیفہ، روح القدس، ہادی ومزکی، امام، منذر، نبی اور مفہومون کے تمام فنون پر حاوی ہستی کے سلسلہ میں آں حضور ﷺ کا ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ،) لاہور: شیخ غلام اینڈ سنز، ۱۳۹۱ھ (، ۲۱۴-۲۱۶۔

(۶) النجم ۵۳ :۳-۴۔

(۷) سر سید احمد خاں، تفسیر القرآن مع اصول تفسیر،) لاہور: دوست ایسوسی ایٹس، ۱۹۹۵ (۹۰-۹۶، ۵۶۵-۵۷۸۔

(۸) ڈاکٹر سی ڈبلیو ٹرول، سر سید احمد خاں : فکر اسلامی کی تعبیر نو، مترجمین -ڈاکٹر قاضی افضل حسین، محمد اکرام چغتائی (لاہور :القمر انٹر پرائزز،۱۹۹۸ء) ،۲۱۷-۲۱۸۔

(۹) الفاتحہ۱: ۶-۷۔

(۱۰) مرزا غلام احمد قادیانی ، تفسیر سورہ فاتحہ (ربوہ : ادارۃ المصنّفین، س-ن)، ۲۵۰۔

(۱۱) قادیانی ، تفسیر سورہ فاتحہ ،۲۵۰۔

(۱۲) قادیانی ، تفسیر سورہ فاتحہ ،۲۵۲۔

(۱۳) قادیانی ، تفسیر سورہ فاتحہ ، ۲۵۳-۲۵۲۔

(۱۴) محمد علی لاہوری، بیان القرآن، (لاہور: مطبع عالم پریس، ۱۳۷۷ھ) ،۵۸۱/۱۔

(۱۵) لاہوری، بیان القرآن، ۱۶۳۱/۳-۱۶۳۲۔
(۱۶) حم السجدہ ۴۱: ۱۲۔
(۱۷) النحل ۱۶: ۶۸۔
(۱۸) القصص ۲۸: ۷۔
(۱۹) المائدہ ۵: ۱۱۱۔
(۲۰) غلام احمد پرویز، مطالب الفرقان (لاہور: طلوع اسلام ٹرسٹ، س ن)، ۵۷۴/۳-۵۷۶۔
(۲۱) پرویز، مطالب الفرقان، ۱۲۹/۲۔
(۲۲) پرویز، مطالب الفرقان، ۴۹۰/۲-۴۹۱۔
(۲۳) پرویز، مطالب الفرقان، ۱۴۰/۱-۱۴۱۔
(۲۴) پرویز، مطالب الفرقان، ۱۸۶/۲-۱۸۷۔
(۲۵) پرویز، مطالب الفرقان، ۶۷/۲-۶۸۔
(۲۶) مولانا عبدالحق حقانی، تفسیر حقانی، (لاہور: الفیصل، س۔ن) ۴۴/۱۔
(۲۷) حقانی، تفسیر حقانی، ۴۴/۱-۴۶۔
(۲۸) حقانی، تفسیر حقانی، ۴۶/۱-۴۷۔
(۲۹) حقانی، تفسیر حقانی، ۴۷/۱۔
(۳۰) حقانی، تفسیر حقانی، ۴۷/۱۔
(۳۱) حقانی، تفسیر حقانی، ۴۷/۱-۴۹۔
(۳۲) حقانی، تفسیر حقانی، ۴۹/۱۔
(۳۳) حقانی، تفسیر حقانی، ۴۹/۱-۵۰۔
(۳۴) مولانا اشرف علی تھانوی، بیان القرآن، (کراچی: ایچ۔ایم سعید کمپنی، س۔ن) ۵۳/۱۔
(۳۵) مولانا شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی (لاہور: نفیس پبلشرز، س۔ن)، ۴۹۱۔
(۳۶) الشوریٰ ۴۲: ۵۱۔
(۳۷) عثمانی، تفسیر عثمانی، ۶۴۰۔
(۳۸) غافر ۴۰: ۱۵۔
(۳۹) الشوریٰ ۴۲: ۵۲۔

(۴۰) عثمانی ، تفسیر عثمانی، ۳۴۹۔

(۴۱) عثمانی ، تفسیر عثمانی،۳۹۱۔

(۴۲) مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، (لاہور :اسلامی اکادمی، س۔ن)، ۱/۴۵۹۔

(۴۳) آزاد، ترجمان القرآن، ۱/۱۷۴-۱۷۹۔

(۴۴) مولانا محمد مالک کاندھلوی ، معارف القرآن، (مکتبہ عثمانیہ : جامعہ اشرفیہ، س ن) ۶/۲۴۵۔

(۴۵) محمد مالک کاندھلوی ، معارف القرآن، ۶/۲۴۶-۲۴۷۔

(۴۶) مولانا محمد ادریس کاندھلوی، معارف القرآن، ۱/۱۸۶۔

(۴۷) مولانا عبدالماجد دریا بادی ، تفسیر ماجدی (لاہور : تاج کمپنی،۲۰۰۱)، ۹۷۷۔

(۴۸) مولانا عبدالماجد دریا بادی ، تفسیر ماجدی (کراچی: مجلسِ نشریات اسلام،۱۹۹۸ء)،۱/۱۹۳۔

(۴۹) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن) لاہور :ادارہ ترجمان القرآن ،۱۹۸۷(، ۴/۴۷۸-۴۷۹۔

(۵۰) مودودی، تفہیم القرآن، ۴/۵۱۶۔

(۵۱) مودودی، تفہیم القرآن، ۴/۲۹۵۔

(۵۲) مودودی، تفہیم القرآن، ۵/۳۴۔

(۵۳) مودودی، تفہیم القرآن، ۱/۵۶۲-۵۶۳۔

(۵۴) مولانا امین احسن اصلاحی ،تدبر قرآن، (لاہور : فاران فاونڈیشن،) ، ۴/۵۴۰۔

(۵۵) مولانا امین احسن اصلاحی ،تدبر قرآن، ۲/۴۳۱-۴۳۲۔

(۵۶) پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن، (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۳۹۹ھ)، ۳/۴۱۵-۴۱۶۔

(۵۷) پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن، ۳/۴۱۶۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆